مصرفِ زکوۃ ہونے میں عاملینِ زکوۃ اور رفاہی اداروں کی انتظامیہ کا تقابلی مطالعہ

Being recipients of Zakat: A comparative study based on Zakat collectors and Charitable Institutes

عاصم علی خان*

ڈاکٹر زینت ہارون**

Abstract:

Many charities working in our society play a very important and active role. Zakat is a basic component of their financial system and a large part of their fixed expenses is the salaries of the people who work in it. Therefore, many institutions want their salaries to be paid from Zakat, and for this purpose, they rely on the "*Aamleen*" (out of the eight expenses of Zakat mentioned in the Holy Qur'an. That was a group whose job was to collect Zakat from the people at the official level; their salary was paid from the collected Zakat.) Similarly, a large number of Islamic madrassas also receive Zakat and Sadqaat. Are the people working in it be paid Zakat on the basis of speculation on the judges or other government officials who work for the public interest and their wages are paid from the treasury or not? In this article, first the necessary issues related to the *Aamleen* have been mentioned and then it has been examined whether the said persons can be compared to them or not.

Keywords: Zakat, *Aamleen*, collectors, recipient, institute, charity

تعارف:

قرآنِ کریم میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک مصرف "عاملین" بھی ہے۔ یہ ایک ایسی جماعت کا نام ہے جس کا بنیادی کام سرکاری سطح پر لوگوں کی زکوۃ جمع کرنا تھا، پھر یہ زکوۃ مختلف مصارف میں استعمال کی جاتی تھی جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہوتا تھا۔ ان عاملین کی اجرت بھی اس جمع شدہ زکوۃ سے دی جاتی تھی۔

* پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنہ۔ جامعہ کراچی asimalikhan003@gmail.com

** چیئرپرسن، شعبہ قرآن وسنہ۔ جامعہ کراچی zeenatharoon@yahoo.com

والعاملين عليها. وهم الذين يستعملهم الإمام على جمع الصدقات ويعطيهم مما يجمعون كفايتهم و كفاية أعوانهم [1]- (اور زکوٰۃ کے عاملین، یہ وہ لوگ ہیں جن کو حاکم صدقات کے جمع کرنے پر مامور کر دے، اور حاکم اس جمع شدہ سے ان کی اور ان کے گھر والوں کی کفایت کے بقدر عطاء کریگا۔)

اس زمانے میں کئی سارے رفاہی ادارے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد مختلف رفاہی کاموں میں استعمال کرتے ہیں، کیا ان رفاہی ادارروں میں کام کرنے والے حضرات کی تنخواہیں بھی جمع شدہ زکوٰۃ سے ادا کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے پہلے عاملینِ زکوٰۃ سے متعلق ضروری اور بنیادی خاکہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ ذیل میں پہلے عاملین زکوٰۃ کی تعریف اور شرائط ذکر کی جائیں گی اور پھر موجودہ زمانے میں زکوٰۃ لینے والے اداروں کی انتظامیہ سے تقابل پیش کیا جائیگا۔

عاملینِ زکوٰۃ کی تعریف:

یہ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے جاتے تھے۔ جس میں کچھ لوگ زکوٰۃ کی وصولی پر مامور ہوتے ہیں، کچھ اس وصولی کے بعد اس کا حساب کتاب رکھتے ہیں، کچھ اس کی حفاظت کا کام سرانجام دیتے ہیں، اور کچھ اس جمع شدہ زکوٰۃ کو اسکے مصارف میں استعمال کرتے ہیں۔ ان سب پر عاملینِ زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

الذين يعملون في الجهاز الإداري لشؤن الزكوٰة. من جباة يحصلونها و من خزنة . كل هؤلاء جعل الله اجورهم في مال الزكوٰة ؛ لئلا يؤخذ من ارباب الأموال سواها [2]-(عاملین سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو انتظامی امور میں شریک ہوں جیسے وصولی کرنے والے، حفاظت کرنے والے، لکھت پڑھت کرنے والے، تقسیم کرنے والے، ان سب کا محنتانہ اللہ نے اسی زکوٰۃ میں رکھا ہے تاکہ مالدار لوگوں سے ان کاموں کی الگ سے کوئی فیس نہ لی جائے۔)

زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین کی ضرورت:

زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عاملین کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عام لوگ زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جاننے کے باوجود ادائیگی میں سستی کرتے ہیں، اس لیے حکومت کی طرف سے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی کے لیے باقاعدہ نظام مرتب کیا جاتا ہے۔في الناس من يملك المال ولا يعرف ما يجب عليه. و منهم من يعرف ويبخل [3]- (بعض مالدار لوگ اپنے اوپر واجبات سے ناوواقف ہوتے اور کچھ جان بوجھ کر بخل سے کام لیتے ہیں۔)

عاملینِ زکوٰۃ کی اجرت:

ان کا محنتانہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے محصول سے دیا جاتا ہے۔ اول اس وجہ سے کہ خود نصِ قرآنی سے ثابت ہے، دوسرا یہ کہ یہ لوگ مفادِ عامہ کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرتے ہیں، لہذا ان کا محنتانہ جو ان کی گذر بسر کے لیے ضروری ہو وہ بھی عام لوگوں سے وصول کیا جائیگا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ "الغُرم بالغنم"[4] اور وہ یہی جمع شدہ زکوٰۃ ہوگی۔ جیسا کہ قاضی اور دیگر سرکاری لوگوں کا خرچ بھی اسی وجہ سے سرکاری خزانہ سے وصول کیا جاتا ہے۔

عاملین کی شرائط:

۳،۲،۱۔ عاملین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہوں، عاقل، بالغ ہوں۔ کیونکہ یہ معاملہ تولیت کا ہے، اور متولی کے لیے اسلام عقل اور بلوغ شرط ہے۔ نیز اس میں ایک قسم کا تحکم ہے مسلمانوں پر جس کا کوئی کافر اہل نہیں ہے۔ لأنها ولاية على المسلمين فيشترط فيها الإسلام كسائر الولايات[5]۔ (یہ مسلمانوں پر ایک ولایت ہے لہذا اس میں بھی تمام ولایات کی طرح اسلام شرط ہے۔)

يشترط له الأمانة، فاشترط له الإسلام، كالشهادة۔۔۔ ولأن الكافر ليس بأمين، ولهذا قال عمر: لا تأتمنوهم وقد خونهم الله تعالى[6]۔ (اس کے لیے اسلام اور امانت داری شرط ہے جیسا کہ گواہی دینے کے لیے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں پر ولایت ہے لہذا کوئی کافر اس کا اہل نہیں ہو سکتا دوسری تمام ولایات کی طرح۔ دوسرا یہ کہ وہ زکوٰۃ لینے کا سرے سے اہل ہی نہیں تو عاملین میں سے بھی نہیں ہو سکتا، اور پھر کافر امین بھی نہیں۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو خائن قرار دیا ہے تو تم ان کو امین نہ سمجھو۔)

۵،۴۔ اسی طرح عاملِ زکوٰۃ کا امین اور عالم باحکامِ زکوٰۃ ہونا بھی شرط ہے۔ کیونکہ امین نہ ہو تو لوگوں کے اموال اس کے پاس محفوظ نہیں ہونگے۔ اگر انتظامی امور اس کے حوالے ہوں تو زکوٰۃ کے مسائل سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اپنے فرائضِ منصبی پورے طور پر ادا کر سکے، مثلاً کون سے مال کی زکوٰۃ لینی ہے کون سے کی نہیں اور کتنی مقدار میں لینی ہے، اس طرح کے مسائل میں بعض اوقات جزوی طور پر اجتہاد کی بھی ضرورت پڑتی ہے، لہذا مسائل سے واقفیت کے بناء چارۂ کار نہیں۔

أميناً: لأنه مؤتمن على أموال المسلمين، ۔۔۔ واشترطوا أيضاً أن يكون عالما بأحكام الزكاة، ۔۔۔ ويحتاج إلى الاجتهاد الجزئي فيما يعرض من مسائل الزكاة وأحكامها[7]۔ (امانتدار ہونا، کیونکہ وہ مسلمانوں کے مال پر امین ہے تو اس کا فاسق وخائن ہونا جائز نہیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ مالداروں پر ظلم کرے۔۔۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ

زکوۃ کے مسائل سے واقف ہو۔۔۔کیونکہ اس کو ان مسائل کی ضرورت پیش آئیگی۔)

اس کے علاوہ بعض حضرات نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ وہ بنو ہاشم میں سے نہ ہو۔اور دلیل کے طور پر حضرت فضل بن عباسؓ اور مطلب بن ربیعہؓ کا واقعہ نقل کیا ہے،ان دونوں حضرات نے عمالہ کا منصب طلب کیا تھا لیکن آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ذوی القربیٰ ہونے کی بنیاد پر منع فرمادیا تھا۔

عن المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب أنه والفضل بن عباس انطلقا إلى رسول الله-ﷺ-قال: ثم تكلم أحدنا فقال: يا رسول الله جئناك لتؤمرنا على هذه الصدقات، فنصيب ما يصيب الناس من المنفعة، ونؤدي إليك ما يؤدي الناس، فقال: إن الصدقة لا تنبغي لمحمد ولا لآل محمد، إنما هي أوساخ الناس[8]۔

(حضرت مطلب بن ربیعہؓ سے منقول ہے کہ وہ اور فضل بن عباسؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں صدقات کے مال کا امین بنادیں، ہمیں بھی وہی نفع ہو گا جو دوسرے لوگوں کو ہوتا ہے اور ہم بھی وہی ذمہ ادا کرینگے جو دوسرے لوگ ادا کرتے ہیں، آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور آلِ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لیے صدقہ مناسب نہیں۔یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔)

جبکہ دوسرے حضرات جن میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی شامل ہیں ان کے نزدیک ذوی القربیٰ کو بھی عاملِ زکوۃ بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ اس مال کی حیثیت ان کے حق میں اجرت کی ہوگی نہ کہ زکوۃ کی، یہی وجہ ہے کہ یہ مال بقدرِ عمل ملتا ہے اور حدیثِ مذکور کو تنزیہ پر محمول کیا ہے نہ کہ تحریم پر۔

قد جوز الناصر من أهل البيت توظيف بني هاشم في العمالة و إعطاءهم من الزكاة و هو قول للشافعي و أحمد... كأنهم جعلوا الحديث للتنفير و التنزيه عن التطلع لمثل هذا العمل لا للتحريم[9]۔ (اہلِ بیت میں سے ناصر نے سادات کو بطور عاملین، زکوۃ میں سے حصہ دینا جائز قرار دیا ہے اور یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے۔گویا کہ انہوں نے حدیثِ بالا کو تحریم کی بجائے تنفیر و تنزیہ پر محمول کیا ہے۔)

يجوز أن يتقلدها من تحرم عليه الصدقات من ذوي القربى، والعبيد، ويكون رزقه منها، لأن ما يأخذه أجرة زكاة، ولهذا يتقدر بقدر عمله. وقد قال الخرقي "ولا تدفع الصدقة لبني هاشم، ولا لكافر ولا لعبد، إلا أن يكونوا من العاملين عليها فيعطون بحق ما عملوا[10]۔ (غلام اور ذوی القربیٰ وغیرہ جن پر صدقہ حرام ہے ان کو زکوۃ کی وصولی کا ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے، اور اس کی تنخواہ اسی میں سے ہوگی، کیونکہ وہ ان کی اجرت ہے اسی لیے یہ ان کے کام کے بقدر ہوتی ہے، خرقیؒ نے فرمایا: صدقہ بنی ہاشم کو نہیں دیا جائیگا نہ کسی کافر کو نہ کسی غلام کو۔ہاں اگر یہ عاملینِ زکوۃ ہوں تو بقدرِ عمل ملے گا۔)

یہ تفصیل اس وقت ہے جب ذوی القربیٰ کو عامل بنا کر زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے محصول سے اجرت دی جائے، اور اگر ان کو عامل بنا کر ان کی اجرت اس کے علاوہ کسی اور مال سے دی جائے تو بالاتفاق ان کا عامل بننا درست ہے، کیونکہ حضرت علیؓ نے بنو عباسؓ کو زکوٰۃ پر عامل بنایا تھا۔

الحديث إنما يمنع دخول ذوي القربى في سهم العامل ولا يمنع من جعلهم عمالا عليها ويعطون من غيرها فإنه جائز بالإجماع. وقد استعمل عليؓ بني العباسؓ[11]- (حدیث ذوی القربیٰ کو عاملین کے حصہ میں سے دینے سے منع کرتی ہے، ان کو عامل بنانے سے منع نہیں کرتی اس صورت میں کہ ان کو اجرت اس کے علاوہ سے دی جائے، کیونکہ یہ بالاتفاق جائز ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے بنو عباسؓ کو عامل بنایا تھا۔)

عامل کا فقیر مسکین ہونا شرط ہے یا نہیں؟

عاملینِ زکوٰۃ کے لیے مسکین یا فقیر ہونا ضروری نہیں، غنی ہونے کی صورت میں بھی یہ زکوٰۃ وصول کرسکتے ہیں کیونکہ یہ ان کے عمل کی اجرت ہوتی ہے، جس کا تعلق ان کے عمل سے ہے نہ کہ ان کے محتاج ہونے سے۔

ويعطى العامل ولو كان غنياً؛ لأنه إنما يأخذ أجرا على عمل أداه، لا معونة لحاجة أصابته، وقد روى ابو داؤد عن النبي ﷺ أنه قال: "لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل الله، أو لعامل عليها، أو۔۔۔[12]- (عامل کو غنی ہونے کے باوجود دیا جائیگا کیونکہ وہ اپنی کسی پیش آمدہ حاجت کی وجہ سے نہیں لیتا بلکہ وہ تو اپنے عمل کی اجرت لے رہا ہے۔ ابو داؤد نے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:" صدقہ غنی کے لیے حلال نہیں سوائے پانچ صورتوں میں؛ اللہ کے راستے کے غازی کے لیے یا جس کو اس صدقہ پر عامل بنایا جائے یا۔۔۔)

یہاں تک عاملینِ زکوٰۃ کی تفصیلات ذکر کی گئیں، ذیل میں رفاہی اداروں کی انتظامیہ سے تقابل بیان کیا جاتا ہے کہ آیا یہ بھی عاملینِ زکوٰۃ ہیں (اس صورت میں ان کی تنخواہ زکوٰۃ سے دینا جائز ہو گا چاہے یہ غنی ہی کیوں نہ ہوں) یا عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں نہیں ہے۔ (اس صورت میں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ سے دینا درست نہیں ہو گا)۔

مشغول بأمر المسلمین عاملِ زکوٰۃ کے حکم میں ہے یا نہیں:

اس بارے میں دو رائے ہیں، ابن الرشد نے لکھا ہے کہ فقہاء کی ایک جماعت نے قاضی، مفتی، والی، مدرسین و مہتمم مدرسہ اور اس قسم کے لوگوں کو جو مسلمانوں کے معاملات کے لیے کام کرتے ہیں عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں مان کر ان کو بھی زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا مصرف قرار دیا ہے اگرچہ یہ لوگ غنی ہوں کیونکہ یہ لوگ بھی عاملِ زکوٰۃ کی طرح مسلمانوں کے کام میں مشغول ہیں تو ان کی اجرت بھی مسلمانوں کے اجتماعی مال میں ہو گی۔

والذين أجازوها للعامل وإن كان غنيا أجازوها للقضاة و من فى معنا هم ممن المنفعة بهم عامة للمسلمين[13]۔ (جن لوگوں نے عامل کے غنی ہونے کے باوجود بھی اس کے لیے زکوٰۃ لینے کی اجازت دی ہے انہوں نے قضاۃ اور دوسرے لوگ جن سے عام لوگوں کا نفع وابستہ ہوتا ہے ان کے لیے بھی زکوٰۃ لینے کی اجازت دی ہے۔)

الزكاة تعطى لعامل عليها و من كان بمعناه كقاض و وال و مفت و نحوهم ممن اشتغل بأمر الناس، قياسا على العامل، فيعطون بقدر عنائهم و شغلهم و منفعتهم فى الإسلام ، وإن كانوا أغنياء؛ لأنهم مكفوفون بأمر المسلمين عن السعي لأنفسهم[14]۔ (زکوٰۃ عاملِ زکوٰۃ کو دی جاسکتی ہے اور جو اس کی طرح کے لوگ ہوں جیسے قاضی والی مفتی وغیرہ جو لوگوں کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے دی جاسکتی ہے اگرچہ وہ مالدار ہوں، چنانچہ ان کو ان کی محنت، مصروفیت اور اسلام کو ان سے جتنا نفع پہنچے اسی حساب سے دی جائیگی، کیونکہ یہ سب بھی لوگوں کے کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے کمائی سے عاجز ہوتے ہیں۔)

لیکن عام فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ مشغول بأمر المسلمین ہیں اور ان کی اجرت مسلمانوں کے مشترکہ مال سے دی جائیگی، لیکن بیت المال کی دیگر مدات سے مثلاً خراج مالِ فیئ وغیرہ سے دی جائیگی نہ کہ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی مد سے۔ البتہ اگر وہ فقیر، مسکین، فی سبیل اللہ یا اور کسی مصرف کے تحت مستحقِ زکوٰۃ ہوں تو وہ الگ بات ہے۔ عامة الفقهاء يرون إعطاء هؤلاء من موارد الدولة الأخرى من الفيئ و الخراج و نحوهما، لا من الزكاة[15]۔ (عام فقہاء کا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کے دوسرے سرکاری فنڈ جیسے مال فیئ خراج وغیرہ سے دیا جائیگا نہ کہ زکوٰۃ سے۔) عاملینِ صدقات کے عمالہ سے یہ ثابت کرنا کہ مدرسینِ مدرسہ کو مدِّ زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے، ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے[16]۔ یہ عام رفاہی اداروں اور فاؤنڈیشنز کا حکم ہے، عام طور سے یہ ادارے عاملینِ زکوٰۃ کی شرائط پر پورا نہیں اترتے، لہذا یہ رفاہی ادارے عاملین کے حکم میں نہیں، البتہ دینی مدارس کی انتظامیہ تمام شرائط کو جامع ہونے کی وجہ سے عاملین کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے تفصیل درجِ ذیل ہے۔

مدارسِ اسلامیہ کے مہتمم و منتظمینِ مدرسہ عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں ہیں یا نہیں؟

یہ ماضی قریب کا ایک معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے، اس میں اکابر فقہاء کی دو رائے ہیں، حضرت مولانا سید عبد الکریم صاحبؒ، شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی رائے گرامی یہ تھی کہ مدارسِ اسلامیہ کے مہتمم عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں

نہیں ہیں۔ چنانچہ امداد الاحکام میں مفتی سید عبد الکریم صاحب کا فتویٰ ہے جس پر مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب کی تصدیق موجود ہے، اس فتوی کے چند اقتباسات درجِ ذیل ہیں:

مدرسہ میں غیر زکوٰۃ کی رقم داخل کرنے سے تو مدرسہ کی ملک ہو جاتی ہے پس اس کو قواعدِ مدرسہ کے مطابق ہی صرف کیا جائیگا۔۔۔اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں داخل کرنے سے گو ملکِ مدرسہ نہیں ہوتی۔۔۔الخ[17]۔ چونکہ زکوٰۃ کی رقم صَرف ہونے سے پہلے پہلے معطی کی ملک ہے لہذا اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص شخص کو دینے سے منع کر دے[18]۔

اسی طرح حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک پورا رسالہ اس تحقیق سے متعلق تحریر فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ مدارس کے مہتمم عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں نہیں۔ بعد ازاں یہ رسالہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے نہ صرف تصویب فرمائی بلکہ اس رسالہ کا نام بھی تجویز فرمایا،إماطة التشکيك فی اناطة الزکوٰة بالتمليك۔ ما نصہ: مہتمم مدارس کو کسی طرح وکیل فقراء مثل امیر المؤمنین یا عاملینِ صدقہ کے قرار نہیں دیا جاسکتا۔۔۔احقر نے رسالہ ہذا حضرت والا کی خدمت میں بھیجا تھا۔۔۔حضرت والا نے تحریر فرمایا:۔۔۔میں نے کُل کا کُل دیکھا اور دل سے دعا نکلی[19]۔

جبکہ دیگر فقہاء کرام جن میں ابو حنیفہ ٔوقت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ شامل ہیں۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ سے کتابت کے بعد خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ بھی اسی رائے کے قائل ہو گئے تھے اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی رجوع فرما کر یہی موقف اختیار فرمالیا تھا۔

امداد الفتاویٰ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی حضرت سہارنپوریؒ سے خط و کتابت درجِ ذیل ہے۔

(سوال از طرف حضرت حکیم الامت تھانویؒ)۔۔۔عمال بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان کی ولایت عامہ ہے اس لیے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے اور مقیس میں ولایتِ عامہ نہیں ہے۔ اس لیے اُخذ کا وکیل کیسے بنے گا کیونکہ نہ توکیل صریح ہے اور نہ دلالت ہے، اور مقیس علیہ میں دلالت ہے کہ سب اس کے زیرِ طاعت ہیں اور وہ واجب الاطاعت ہے۔ الجواب:۔۔۔بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں ایک حکومت جس کا ثمرہ تنفیذِ حدود و قصاص دوسرا انتظامِ حقوقِ عامہ۔ امرِ اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، امرِ ثانی میں اہلِ حل و عقد کی رائے و مشورہ کے ساتھ نصبِ سلطان وابستہ ہے جو بابِ انتظام سے ہے۔ لہذا اولی انتظامِ مدارس جو برضاء ملاک و طلبہ

ابقائے دین کے لیے کیا گیا ہے بالاولیٰ معتبر ہو گا۔ ذرا غور فرمائیں انتظامِ جمعہ کے لیے عامہ کا نصب امام معتبر ہونا ہی جزئیات میں شاید اس کی نظیر ہو سکے۔ والسلام خلیل احمد عفی عنہ ۵ رجب ۱۳۲۵ھ[20]۔

اسی طرح کا ایک سوال کسی نے حضرت گنگوہیؒ سے کیا تھا اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے مرحمت فرمایا تھا: مہتمم مدرسہ کا قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا امیر نائب جملہ عالَم ہوتا ہے، پس جو شئ کسی مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اس کے قبضہ سے ملکِ معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا، اگرچہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملکِ ورثاء معطی کی ہو گی اور نہ خود معطی کی ملک رہے[21]۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی رائے گرامی:

امداد المفتین میں اس مسئلہ سے متعلق شائع شدہ عبارت سے رجوع کر کے اسی فیصلہ کو تسلیم کرتا ہوں جو فیصلہ ان سب اکابر کا ہے۔ یعنی موجودہ زمانے کے مہتممان مدارس یا ان کے مامور کردہ حضرات جو چندہ یا زکوٰۃ وصول کرتے ہیں وہ بحیثیت وکیلِ فقراء کے وصول ہوتی ہے اور ان کے قبضہ پہنچتے ہی معطین زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے[22]۔

خلاصہ کلام:

جن حضرات کے نزدیک مہتمم عاملین کے حکم میں نہیں ہے ان کے نزدیک مہتمم صرف معطین کی طرف سے زکوٰۃ کو مخصوص مصارف میں لگانے کا وکیل محض ہے۔ جب تک کسی مستحق کو مالک نہیں بنائیگا معطی کی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ اور جو حضرات مہتمم کو عاملین کے حکم میں مانتے ہیں ان کے نزدیک مہتمم کا وصول کرنا فقراء کا وصول کرنا ہی ہے، اور اتنی بات سے ہی معطین کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی۔ اور معطین میں سے کسی کے مرنے کی صورت میں وراثت جاری نہیں ہو گی نہ سال گذرنے پر اس مال پر زکوٰۃ لازم ہو گی۔

حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت مفتی اعظم پاکستانؒ کی مذکورہ بالا تصریحات کے بعد راجح یہ ہے کہ مدارس کے مہتمم عاملینِ صدقہ کے حکم میں ہیں۔ مہتمم یا اس کے کارندے کے وصول کرنے سے مال مالک کی ملکیت سے نکل جائیگا، مالک کی ملکیت سے نکالنے کے لیے مزید کسی تملیک کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور دیکھی جائیگی کہ ادارے کی انتظامیہ میں عاملین والی شرائط موجود ہیں یا نہیں بصورتِ دیگر یہ بالاتفاق عاملینِ زکوٰۃ کے حکم میں نہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ بالا دونوں رائے کے مطابق مستحقین کی تملیک بہر صورت لازمی ہے۔ پہلی رائے کے مطابق جس میں منتظمین معطین کے وکیل بالاداء محض ہیں اس میں تملیک کی شرط ظاہر ہے۔ اسی طرح راجح رائے

کے مطابق بھی معطین کی زکوٰۃ ادا ہو جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ معطین کی ملکیت ختم ہو کر ان کے ذمہ سے فریضۂ زکوٰۃ ساقط ہو جائیگا۔ اس میں معطین کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اب اس تملیک کی ذمہ داری جو معطین پر تھی انتظامیہ پر عائد ہو گی، اور وہ اس بات کی پابند ہو گی کہ اس کو زکوٰۃ کے مصارف میں ہی خرچ کرے۔ اور مستحقین کو مالکانہ حقوق کے ساتھ ادا کرے۔ چنانچہ جن عاملینِ زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے مہتممین پر یہ حکم لگایا گیا ہے خود ان عاملین کے بارے میں بدائع الصنائع میں مذکور ہے:

يسقط ذلك كله وإن كانوا لا يضعونها في أهلها؛ لأن حق الأخذ لهم فيسقط عنا بأخذهم. ثم إنهم إن لم يضعوها مواضعها فالوبال عليهم[23]. (زکوٰۃ کا فریضہ ساقط ہو جائیگا، اگرچہ سرکار اس کو مستحقین کے حوالہ نہ بھی کرے، کیونکہ سرکار کو لینے کا اختیار ہوتا ہے تو ہم سے لیتے ہی ہمارے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی۔ پھر اگر سرکار اس زکوٰۃ کو مستحقین کے حوالہ نہ کرے تو سارا وبال خود اس پر ہو گا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا ہو جانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ مستحقین کو ہی زکوٰۃ حوالہ کی جائے۔ مزید دیکھئے تبویب دار العلوم کراچی[24]۔ لہٰذا جو ادارے معطین کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ادارہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ راجح قول کے مطابق کیونکہ معطین کی زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے تو تملیک کے بغیر ادارے میں ہونے والے تمام تصرفات میں اس کو استعمال کر سکتا ہے چاہے وہ مصرفِ زکوٰۃ ہوں یا نہ ہوں۔

حوالہ جات:

[1] محمد بن ابی سہل السرخسی، المبسوط، بیروت: المعرفۃ، ۱۹۹۳ء، ج ۳، ص ۹

[2] محمد بن حسین الطوری، تکملۃ البحر الرائق، دار الکتاب الاسلامی، ج ۸، ص ۲۷

[3] علي بن أبي بكر برهان الدين الفرغاني المرغيناني، الهداية في شرح بداية المبتدي، بیروت – لبنان: دار احیاء التراث العربي، ج ۳، ص ۲٦٦

[4] عبد العزيز بن أحمد علاء الدين، كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، دار الكتاب الإسلامي، ج ۲، ص ۲۱۲

[5] مسلم بن الحجاج النیسابوری، صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ج ۲، ص ۷۵۴

[6] محیی الدین یحیی بن شرف النووی، شرح النووي علی مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ، ج ۷، ص ۱۸۲

[7] سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، شرح التلویح علی التوضیح، مصر: مکتبہ صبیح، ج ۱، ص ۳۲۴

[8]ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن أبي داؤد، بیروت: المکتبۃ العصریہ، ج ۲، ص ۱۱۹

[9]الشیخ خلیل احمد السہارنفوری، بذل المجہود: مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، ۲۰۰۶ء، ج ۶، ص ۴۸۶

[10]عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجربوع، الأمثال القرآنیۃ القیاسیۃ المضروبۃ للإیمان باللہ، المدینۃ المنورۃ: عمادۃ البحث العلمی بجامعۃ الاسلامیۃ، ۲۰۰۳ء، ج ۲، ص ۵۷۲

[11]محمد بن محمد، أکمل الدین أبو عبد اللہ الرومي البابرتي، العنایۃ شرح الھدایۃ، دار الفکر، ج ۱، ص ۸۹

[12]احمد بن الشیخ محمد الزرقا، شرح القواعد الفقھیۃ، دمشق: دار القلم، ۱۴۰۹ھ، ج ۱، ص ۱۵۷

[13]محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین الدمشقي الحنفي، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ج ۵، ص ۱۶۹

[14]الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار)، ج ۵، ص ۸۹

[15]عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی، شرح السیوطي علی مسلم، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: دار ابن عفان للنشر والتوزیع، ۱۹۹۶ء، ج ۳، ص ۱۷۴

[16]ابو العباس احمد بن عمر القرطبی، المفہم شرح المسلم: مکتبہ دار ابن کثیر، ۵۷۸ھ، ج ۳، ص ۱۲۹

[17]عبد الوھاب بن تقی الدین السبکی، الأشباہ والنظائر: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء، ج ۱، ص ۱۱۱

[18]محمود بن أحمد الحنفی بدر الدین العینی، البنایۃ شرح الھدایۃ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۰ھ، ج ۳، ص ۳۱۳

[19]لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین البلخي، الفتاوی الھندیۃ، دار الفکر، ۱۳۱۰ھ، ج ۱، ص ۱۷۱

[20]اشرف علی تھانوی، تسہیل بہشتی زیور، مکتبہ حجاز، ۱۴۳۳ھ، ص ۴۰۷

[21]خانیۃ علی الھندیۃ، بحوالہ امداد الفتاویٰ، کراچی: مکتبہ دار العلوم، ج ۲، ص ۱۷

[22]الفتاوی الھندیۃ، ج ۱، ص ۱۷۱

[23]اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ، کراچی: مکتبہ دار العلوم، ۱۴۲۸ھ، ج ۲، ص ۱۷

[24]الفتاوی الھندیۃ، ج ۱، ص ۱۹۰